نسخ فی القرآن

صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نقشبندی

جولائی ۱۹۸۰ء کے فکر و نظر میں خلیل الرحمٰن صاحب کی تحریر "قرآن میں ناسخ و منسوخ کا مسئلہ" نظر سے گزری۔ موصوف نے اپنے عقلی دلائل کی روشنی میں قرآن کی آیات میں ناسخ و منسوخ کے وجود سے جو انکار کیا ہے وہ انتہائی تعجب انگیز ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے ثبوت میں تفسیر، حدیث اور اصول حدیث کی ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں کتابیں بھری پڑی ہیں بلکہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں :۔

"و قد اجمع المسلمون علی جوازہ"(۱)

"اور مسلمانوں کا ناسخ و منسوخ کے جواز پر اجماع ہو چکا ہے"۔ لہٰذا ایسے اجماعی مسئلہ سے بھلا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ نسخ کے متعلق قرآن کا صاف اور واضح ارشاد موجود ہے۔

ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نأت بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیر"(۲)

یعنی جب کوئی آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے"۔

اس آیت کے تحت تفسیر بیضاوی میں ہے "والایۃ دلت علی جواز النسخ"(۳) کہ یہ آیت قرآن پاک میں نسخ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ پھر "نسخ" کے اقسام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نسخ "آیات" کی

۱۔ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ص ۲۱۔

۲۔ سورۃ البقرہ، رکوع ۱۳۔ آیت ۱۰۶۔

۳۔ عبداللہ بن عمر بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل، ص ۹۰۔

تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ آیت کی صرف قرأت منسوخ ہو حکم باقی ہو۔ دوسرا یہ کہ حکم صرف منسوخ ہوا ہو تلاوت اس آیت کی باقی ہو، تیسرا یہ کہ قرأت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے ہوں اور ان آیات کو اللہ تعالیٰ نے ذہن سے بالکل بھلا دیا ہو۔ کسی کو وہ آیات یاد ہی نہیں رہیں۔ چنانچہ بیہقی جو حدیث کی معتبر کتاب ہے اس کی ایک روایت ہے جو حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ ایک صحابی رات کو تہجد کی نماز ادا کرنے کے لئے اٹھے اور نماز پڑھنی شروع کی اور سورہ فاتحہ کے بعد وہ سورت جو ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد ہی نہ آئی اور سوائے بسم اللہ کے کچھ نہ پڑھ سکے۔ صبح کو دوسرے صحابہ سے اس کا ذکر کیا تو ان صحابہ کرام نے بھی فرمایا کہ ہمارا بھی یہی حال ہوا ہمیں بھی وہ سورت ذہن پر زور ڈالنے کے باوجود یاد نہ آئی اور اب وہ ہمارے حافظہ میں ہی نہیں ہے۔ سب نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ ماجرا عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کی شب وہ سورت اٹھا لی گئی اس کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو گئے ہیں، حتیٰ کہ جن چیزوں پر وہ لکھی گئی تھی ان پر اس کے نقوش بھی مٹ گئے اور وہ بھی اب باقی نہیں ہیں۔ (۴)

صاحب تفسیر خازن نے اس آیت کے تحت اپنی مشہور تفسیر میں یہ فرما کر کہ والنسخ جائز عقلاً وواقع سمعاً خلافاً للیہود (۵) کہ قرآنی آیات میں نسخ نہ صرف عقلاً جائز ہے بلکہ نقلاً اور سمعاً یعنی از روئے احادیث و روایات واقع اور ثابت ہے اور یہ امر یہود کے برخلاف ہے، نسخ کے مندرجہ بالا اقسام بھی گنوائے ہیں اور اس کی ہر ہر قسم کو احادیث سے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ نسخ کی تیسری قسم یعنی جس آیت کا حکم اور تلاوت دونوں نسخ ہو گئے اور قلوب سے محو کو دیئے گئے کی بابت انہوں نے بھی وہی روایت نقل کی ہے جو ابھی بیہقی کے حوالہ سے اوپر مذکور ہوئی۔

نسخ کی پہلی قسم یعنی جس آیت کی صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہو اور اس کا حکم اب بھی بدستور باقی ہو اس کے متعلق صاحب تفسیر خازن، بخاری شریف اور مسلم شریف کی یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ

۴۔ محمد نعیم الدین، خزائن العرفان فی تفسیر القرآن۔ ص ۱۹۔

۵۔ علاء الدین علی بن محمد خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۱، ص ۷۲۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر رسول پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں آپ پر "آیت رجم" بھی نازل ہوئی، ہم نے اس کو پڑھا اور اچھی طرح اس کو سمجھ کے یاد کر لیا، اس آیت میں جو حکم تھا اس کے مطابق آنحضرت نے رجم بھی کیا اور آنحضرت کے بعد ہم نے بھی اس حکم پر عمل کیا اور زانی کو رجم کیا۔ لیکن اب مجھے ڈر ہے کہ زمانۂ دراز کے بعد کہیں لوگ یہ کہہ کر رجم کو ترک نہ کر دیں کہ یہ حکم اور آیت تو قرآن میں موجود ہی نہیں ہے، حالانکہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس حکم کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے، کیونکہ یہ وہ فریضہ ہے جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور اس رجم کا کتاب اللہ میں سے ہونا حق ہے۔(۶)

آیت رجم کی صرف تلاوت منسوخ ہونے کی یہ حدیث بھی مؤید ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت زر بن جیش سے دریافت فرمایا کہ تم سورۂ احزاب کی کتنی آیتیں شمار کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہتر یا تہتر۔ پھر اس پر حضرت ابن کعب نے فرمایا کہ یہ سورت سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور ہم اس میں آیت رجم بھی تلاوت کیا کرتے تھے۔ تو زر بن جیش نے پوچھا کہ یہ آیت رجم کون سی تھی؟ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ وہ یہ تھی اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔(۷)

علامہ سیوطی نے نسخ کی اس قسم اول کی اور بیسیوں مثالیں احادیث سے دی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ روایت بھی ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بئر معونہ میں جن اصحاب رسول کو قتل کر دیا گیا تھا ان مظلوم مقتولین کے بارے میں کچھ قرآن نازل ہوا تھا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کو پڑھا بھی تھا لیکن وہ بعد میں اٹھا لیا گیا۔ اور وہ اس طرح سے تھا کہ ان بلغوا عنا قومنا

۶۔ علاؤالدین علی بن محمد خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، ج ۱۔ ص ۷۲۔

۷۔ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن۔

انّا لقینا ربّنا فرضی عنّا وارضانا[8]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تلاوت کو منسوخ کر کے صرف حکم باقی رکھنے میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ تو اس کے متعلق علامہ ابن جوزی "فنون" میں فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود امت مسلمہ کی" فرمانبرداری اور اطاعت شعاری بتانی مقصود ہے۔ کہ اس امت کے جان نثار اور وفا شعار لوگ بغیر کسی دلیل اور حجت کے صرف ادنیٰ اشارہ پر اپنی گردنیں جھکا دیتے ہیں۔ محبوب کے حکم کی تعمیل میں انہیں کہنے کی بھی ضرورت نہیں پیش آتی۔ یہ بغیر کہے صرف اس کا منشاء اور رضا معلوم کر کے جو کرنا ہے کر گزرتے ہیں۔

اب رہی نسخ آیات کی دوسری قسم یعنی حکم منسوخ ہو گیا لیکن تلاوت باقی ہے تو اس کے متعلق صاحب تفسیر خازن فرماتے ہیں کہ اس کی مثالیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً یہ آیت کہ ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین الآیۃ۔ اس آیت کا حکم اور معنی منسوخ ہو گئے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے جو اس کے بعد نازل ہوئی الآن خفف اللہ عنکم وعلم انّ فیکم ضعفاء الآیۃ[9]

علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ تفسیر جلالین میں اس کی چند اور مثالیں دیتے ہیں۔ مثلاً کتب علیکم اذا حضر أحدکم الموت ان ترک خیراً الوصیۃ للوالدین اس آیہ کریمہ کی تلاوت باقی ہے مگر حکم بعد میں نازل ہونے والی میراث کی آیتوں سے منسوخ ہو گیا اور اس حدیث رسول کے ذریعہ بھی منسوخ ہو گیا کہ "لا وصیۃ لوارث"۔ اسی طرح ایک اور آیت ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول الآیۃ۔ یہ آیۃ منسوخ ہے اس آیت سے یتربصن بانفسہن أربعۃ اشہر وعشراً[10]

سیوطی نے اس قسم کی بہت سی مثالیں ہر سورہ کے تحت علیحدہ علیحدہ ذکر کی ہیں جن کا احصاء یہاں ناممکن ہے۔ ہاں اس سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ نسخ آیات قرآن میں کتنی کثرت سے موجود ہے۔ لہذا اس سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ جلال الدین سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن ص ۲۶

۹۔ علاؤالدین علی بن محمد خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل ص ۴۷۔

۱۰۔ احمد الصاوی، حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، ص ۵۱ ج ۱

اس دوسری قسم میں بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حکم کو منسوخ کر کے تلاوت باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے ؟
تو اس کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے علامہ سیوطی یوں فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کا جہاں یہ مقصود ہے کہ اس کو پڑھ کر سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے وہاں اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کو پڑھ کر ثواب عظیم حاصل کیا جائے۔ کیونکہ اس کے ایک ایک حرف پر کئی کئی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ لہذا اس کی تلاوت کو باقی رکھ دیا گیا تاکہ صرف اس کی تلاوت سے ہی لوگ برکت، فیض اور دولت اخروی کے بیش بہا خزانے حاصل کر سکیں اور اپنی جھولیوں کو ان انمول موتیوں سے بھر لیں۔ تلاوت کے باقی رکھنے میں دوسری حکمت یہ ہے کہ نسخ اکثر تخفیف حکم کے لئے ہوتا ہے یعنی پہلے کوئی حکم امت پر شاق اور مشکل تھا تو اس کو منسوخ کر کے دوسرا آسان حکم نازل فرما دیا گیا تو دراصل اس پرانے حکم کی تلاوت کو باقی رکھ کر خدا کے انعام واکرام اور اپنے بندوں پر اس کی رحمت و رأفت کی یاد دہانی مقصود ہے کہ کس طرح اس خدائے رحیم و کریم نے ان کو مشقتوں اور مصیبتوں سے بچا کر ان کے لئے آسانی اور سہولت کا سامان مہیا فرما دیا۔

" نسخ آیات " کی مجموعی حکمت اور مصلحت کو علامہ بیضاوی اپنے فلسفیانہ اور محققانہ انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں لان الاحکام شرعت والآیات نزلت لمصالح العباد و تکمیل نفوسھم فضلا من اللہ ورحمۃ و ذلک یختلف باختلاف الاعصار والاشخاص الخ "[۱]

آپ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی احکام اور آیات دراصل بندوں کی اصلاح ان کے فائدے اور ان کی تکمیل نفوس کے لئے نازل کی جاتی ہیں جبکہ بندوں کی اصلاح ان کے فوائد زمانہ اور اشخاص کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں جیسے اسباب معاش کہ یہ بھی ہر دور میں مختلف رہے بلکہ بعض دفعہ ایک چیز ایک زمانہ میں مفید ہوتی ہے اور وہی چیز دوسرے زمانہ میں مضر ہوتی ہے۔ لہذا زمانہ اور اشخاص کے تغیرات کے لحاظ سے احکامات میں بھی تبدل و تغیر ہو جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں بلکہ یہ عین حکمت کے مطابق ہے لہذا وہ حکیم علی الاطلاق جل مجدہ اپنے بندوں کی اصلاح اور فوائد کی خاطر اپنے احکامات میں تغیر و تبدل فرما دے تو یہ کون سے تعجب کی بات ہے۔
یہ تو تھے مختصراً قرآنی آیات کے نسخ سے متعلق کچھ دلائل۔ آیئے اب ذرا اس تحریر کا بھی جائزہ

۱۔ عبداللہ بن عمر بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، ص ۹۸۔

ہیں جس میں اس قسم کے نسخ سے انکار کیا گیا ہے۔

فاضل مضمون نگار نے جو پہلی بات اور پہلی دلیل ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت تنسیخ (یعنی ما ننسخ من آیۃ او ننسہا) الآیۃ میں پچھلی کتابوں کا نسخ مراد ہے اور اس پر دلیل یہ ہے سیاق آیت اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں علمائے کرام نے نسخ کی تین تفسیریں کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے پچھلی کتب اور سابقہ شریعتوں کا نسخ مراد ہے۔ دوسری یہ کہ نسخ کے معنی نقل کے ہیں اور لوح محفوظ سے سمائے دنیا پر قرآن کا نسخ یعنی نقل مراد ہے۔ تیسری یہ کہ اس نسخ سے بعض آیات کا حکم دوسری آیات سے رفع حکم اور نسخ مراد ہے۔ ان تینوں معانی میں کوئی تعارض نہیں لہٰذا بیک وقت اس آیۃ میں تینوں معانی اور تفسیریں مراد لی جا سکتی ہیں۔ اس آیت میں اس تیسرے معنی کی نفی کب ثابت ہوتی ہے کہ اس کو نہ لیا جائے، بلکہ اگر مفسرین کے اقوال کو دیکھا جائے تو وہ دلائل کی روشنی میں تیسرے معنی کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ صاحب خازن فرماتے ہیں الوجہ الثالث وھو الصحیح الذی علیہ جمہور العلماء۔

تیسری وجہ ہی درست اور صحیح ہے اور اسی رائے پر جمہور علماء ہیں اس کے بعد اسی تیسری وجہ کی فوقیت اور ترجیح پر دلیل لاتے ہوئے فرماتے ہیں لان الآیۃ اذا اطلقت فالمراد بہا آیات القرآن لانہ ھو المعہود عندنا۔[۱۲]

کیونکہ جب مطلق "آیت" کا لفظ بولا جائے تو اس سے قرآن کی آیات ہی مراد ہوتی ہیں اس لئے کہ آیت سے ہمارے یہاں عرف و شرع میں یہی معہود اور معروف ہے۔

رہی یہ دلیل کہ آیت کا سیاق پہلے معنی پر دال ہے سو یہ بھی درست نہیں کیونکہ سیاق و سباق میں کوئی ایسی دلیل یا آیت نہیں جس سے کتب سابقہ یا شرائع متقدمہ کے نسخ کا ذکر ہو۔ بلکہ اس سے ماقبل آیت جو فاضل محترم نے ذکر فرمائی ہے وہ حقیقتاً اس تیسرے معنی کی ہی موید ہے۔ یعنی یہ آیت کہ وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اترے تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، ص ۱۸)۔ اس

۱۲۔ علاء الدین علی بن محمد خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ۱ ص ۷۲۔

آیت میں ایک تو صرف یہود و نصاریٰ کا ذکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ مشرکین کا بھی ذکر ہے۔ لہٰذا وہ معنی مراد لئے جانے زیادہ بہتر ہیں بلکہ وہی مراد لئے جائیں گے جو ان دونوں گروہوں کے زیادہ مناسب ہوں اور وہ معنی دوسرے ہی ہیں کیونکہ مشرکین کو پچھلی کتابوں سے کیا غرض وہ تو قرآن کو ہی جانتے تھے اسی کو نازل ہوتا دیکھتے تھے اور معاذ اللہ اسی میں عیوب اور برائیاں نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ سورہ نحل کی یہ آیت ہے کہ واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ۔ الآیۃ۔ اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے، کافر کہیں کہ تم دل سے بنا لیتے ہو (یعنی گھڑ لیتے ہو) بلکہ ان میں اکثر کو علم نہیں تو اس آیت کی شان نزول علماء اور مفسرین یہی بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین قرآنی آیات کے نسخ پر اعتراض کرتے تھے اور اس کی مصلحتوں سے عدم واقفیت کی بنا پر اس کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روز ایک حکم دیتا ہے اور دوسرے روز دوسرا حکم دیتا ہے وہ تو اپنے دل سے باتیں بنا لیتا ہے۔ اس پر یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔[۱۳]

دوسرا نکتہ آیت (ما ننسخ من آیۃ الآیۃ) میں یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خیر کا لفظ ذکر فرمایا ہے جس کے معنی ہیں بہتری اور بھلائی کے جبکہ نسخ میں بھی یہی حکمت کارفرما ہوتی ہے کہ دوسرا حکم پہلے حکم سے بہتر ہوتا ہے اور امت کی بھلائی اور نفع کے لئے نازل کیا جاتا ہے اور امت کی خیرخواہی کے لئے ہی پہلے حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا کفار ایسی مسلمانوں کی بھلائی اور خیرخواہی کو پسند نہیں کرتے اور اللہ فرماتا ہے کہ ہم تمہارے لئے بہتر چیز اتارتے ہیں اور وہ وہی دوسرا حکم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آیت تو صراحۃً نسخ آیات کی مؤید ہوئی نہ کہ اس کی مخالف۔

سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۰۱ سے جو محرر نے استدلال کیا ہے اس کی تفصیل ماقبل میں آ گئی۔ اس آیت کی شان نزول کے ذریعہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس آیت میں قرآن کی نسخ آیات ہی مراد ہے کیونکہ یہی مشرکین کا اعتراض تھا اور قرآن اس آیت میں اسی کا جواب دے رہا ہے۔ اس منقولی اور سماعی توجیہ کے بعد اب اس آیت میں کسی عقلی توجیہہ یا قیاس وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی جبکہ فاضل محترم نے جو عقلی قیاس

۱۳۔ محمد نعیم الدین، مولانا، خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۲۲۳۔

پیش کیا ہے وہ کوئی معقول بھی نہیں ۔ اس لئے کہ ان کا یہ فرمانا کہ "وہ نہ تو پہلی آیت کو" ماننے والے تھے نہ دوسری کو خود ان کے دعوے کو باطل کر دیتا ہے ۔ کیونکہ جس طرح وہ آیات قرآنی میں سے کسی آیت کو نہیں مانتے تھے اسی طرح پچھلی کتابوں میں سے بھی کسی کتاب کو تسلیم نہیں کرتے تھے ۔ تو پھر آپ کی دلیل کے مطابق اب بھی ان کا "انت مفتر" کہنا درست نہ ہوا اور نہ ان کو نسخ شرائع اور نسخ کتب سابقہ پر اعتراض کا کوئی حق ہوا کیونکہ آپ کے نزدیک اعتراض کا حق اسی کو ہے جو اس کو مانے ۔

ایک بات فاضل محرر نے یہ بھی فرمائی کہ "آیات کو آپس میں تطبیق نہ دے سکنے کی وجہ سے یہ غلط نظریہ راہ پاگیا" یہ اعتراض اس وقت ہو سکتا تھا جب نسخ کی صرف ایک ہی قسم ہوتی یعنی وہ جس میں حکم منسوخ ہو جائے اور تلاوت باقی رہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ نسخ کی تین قسمیں ہیں ۔ ان تمام قسموں کو اگر مدنظر رکھا جائے تو یہ اعتراض ہی نہیں بنتا ۔ اور اس دوسری قسم کے لحاظ سے بھی یہ اعتراض درست نہیں ۔ اگر یقین نہ آئے تو ما قبل کچھ آیات (ناسخ و منسوخ) گذر چکی ہیں ۔ ان میں غور کر کے دیکھ لیں ۔ سوائے نسخ کے ان میں کوئی تطبیق ممکن نہیں ۔

نسخ کے عدم جواز پر تیسرے نمبر کے تحت یہ عقلی دلیل لائی گئی ہے کہ اگر آیات کے نسخ کو مان لیا جائے تو اس سے قرآن میں تضاد ، اختلاف اور تناقض لازم آئے گا ۔ حالانکہ اس کی شان یہ ہے کہ افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا ۔ لہذا اس آیت کے مطابق نسخ آیات کی صورت میں اختلاف کے باعث اس کا من عند غیر اللہ ہونا لازم آجائے گا ۔ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ تمام مفروضے اس وقت ثابت ہوں گے جب ان آیات کے حکم ثابت قائم اور باقی ہوں جبکہ نسخ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلا حکم ختم ہو گیا ۔ اب صرف ایک حکم رہ گیا تو اختلاف کہاں رہا ۔

چوتھی دلیل یہ ذکر کی گئی کہ نسخ آیات سے تبدیلی لازم آئے گی جبکہ قرآن کا ارشاد ہے لا مبدل لکلماتہ ۔ اس کا جواب معترض نے خود دے دیا ہے یہ کہہ کر کہ دوسرا کوئی نہیں بدل سکتا انہیں خود اللہ تعالیٰ ہی بدل سکتا ہے جبکہ نسخ کے بعد دوسری آیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے اور وہی اس کو بدلتا ہے ۔ صاف قرآن میں اس بدلنے کی نسبت اپنی طرف کر کے مشرکین کا یوں

رد کرتا ہے کہ واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ الآیۃ۔ اور اس وہم کا ازالہ تو پچھلے مباحث سے خود بخود ہو جانا چاہیئے کہ آنحضرت کا اس کے متعلق کوئی ارشاد نہیں جبکہ ماقبل میں کئی احادیث گذر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ بخاری، مسلم ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں متعدد روایات اس کے متعلق موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان وضاحتوں کے بعد اب کسی کے ذہن میں اس مسئلہ پر کوئی خلش باقی نہیں رہے گی۔